خیال ہے کہ یہ تَبَاكَّ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ازدحام کے ہیں۔ اور وہاں چونکہ طواف کے لئے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اس لئے اس کو بکّۃ کہا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بکّتہ بلثؒ (ن) سے مشتق ہے، جس کے معنی مزاحمت کرنے اور پہاڑ ڈالنے کے ہیں۔ چونکہ سنت الٰہی جاری ہے کہ جو ظالم وہاں الحاد و ظلم پھیلانا چاہتا ہے اس کی گردن توڑ دی جاتی ہے۔ اس لئے اس کا یہ نام ہے۔“

امام راغب کی ”المفردات فی غریب القرآن“ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے ایک کلید کی حیثیت رکھتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اہل علم اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کتاب کے اردو میں ترجمہ ہو جانے سے کم عربی جاننے والے حضرات جو اردو جانتے ہیں خود قرآن مجید کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو سکیں گے۔ اس اعتبار سے مولانا محمد عبدہ صاحب کی یہ علمی خدمت خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا ایک مستقل منبع ثابت ہوگی۔

ہمیں امید ہے، کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہیں رہے گا، نیز جن حضرات کو خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید کے مطالعے کا شوق ودیعت کیا ہے، وہ اس کتاب سے ضرور استفادہ کریں گے۔

”مفردات القرآن“ اردو ترجمے کے دو حصے ہیں، اور دونوں کی مجموعی قیمت قسم اوّل چالیس روپے اور قسم دوم تیس روپلے ہے۔

ملنے کا پتہ :- محمد شمس الدین بک سیلرز بیرون مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ، لاہور

(ا - س)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

از محمد ایوب قادری

ناشر ”ادارہ تحقیق و تصنیف“ ۱۴۱/۱ وحید آباد ع ۱۸

جناب محمد ایوب قادری ایم اے لیکچرار اردو۔ اردو کالج کراچی ”تذکرہ علمائے ہند“ اور ”علم و عمل“ جیسی تاریخی و تحقیقی کتابوں کے سلسلے میں علمی دنیا میں کافی متعارف ہیں موصوف نے زیر نظر کتاب میں حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری اچی المتوفی ۷۸۵ھ / ۱۳۸۳ء کے مفصل حالات و سوانح مرتب فرما کر اپنے ذوق تحقیق کا ایک بڑا اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنے دور کی ایک بڑی اہم شخصیت تھے۔

ایوب صاحب نے ان تمام علمی مصادر سے جن تک کہ ان کی رسائی ممکن تھی، حضرت مخدوم کے حالات جمع کرکے ان کا تاریخی محاکمہ کیا ہے۔ اور ہمارے سامنے آپ کی ایک صحیح تاریخی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت میں ۷۰۷ھ میں اوچ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ریاست بہاولپور میں واقع یہ شہر روحانی اور تبلیغی سرگرمیوں کا بڑا مرکز تھا۔ اور اس کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے عہد اکبر میں لکھا تھا۔

"گویند زمین اوچ و صحرائے او کیفیتے و حالتے دارد کہ در زمین ہائے دیگر نیست"

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے جد امجد حضرت جلال سرخ بخاری بخارا سے ان دیار میں تشریف لائے تھے۔ آپ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی سے جن سے برصغیر ہند و پاکستان میں سہروردی سلسلے کو فروغ ہوا، مستفیض ہوئے اور پھر اوچ میں سکونت فرمائی۔ آپ کے فرزند احمد کبیر سہروردی تھے، جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے والد ماجد ہیں۔ حضرت مخدوم کا خاندان صاحب رشد و ہدایت تھا۔ اور اوچ میں اس کی اپنی خانقاہ تھی۔ حضرت مخدوم نے اوچ ہی میں اس زمانے کے مروجہ علوم پڑھے پھر آپ ملتان تشریف لے گئے۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے پوتے اور ان کے سجادہ نشین شیخ رکن الدین ابوالفتح نے آپ کے لئے تعلیم کا انتظام کیا۔ آپ جب علوم ظاہری سے فارغ ہوکر واپس اوچ پہنچے تو سلطان محمد تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام مقرر کیا، جسے آپ نے قبول نہ کیا اور حجاز مقدس کو روانہ ہوگئے۔

حضرت مخدوم نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔ "سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام کیا اور چالیس خانقاہیں میرے تصرف میں کردیں۔ شیخ (رکن الدین ابوالفتح[1]) مجھ کو خواب میں دکھائی دیئے۔ کہا تو حج کو چلا جا تو غرق ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے کہا کہ جلد روانہ ہو جا۔ کیا تیاری کرتا ہے، شیخ نے تجھے اشارہ کیا ہے۔ میں نے مخدوم والد سے اجازت چاہی، روانہ ہوگیا۔۔۔"

مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم اس طرح کم و بیش دس بارہ سال باہر رہے۔ ان میں سے سات سال

---

[1] اس وقت آپ کا وصال ہو چکا تھا۔

آپ کے مکہ معظمہ میں اور دو سال مدینہ منورہ میں گزرے، ان دونوں مقامات میں آپ نے بعض مشائخ سے تحصیل علم کیا اس کے علاوہ سفر و سیاحت کے دوران میں آپ جہاں بھی گئے وہاں کے علماء و صوفیاء سے استفادہ فرمایا۔ چنانچہ آپ جب لوٹے تو علوم شریعت و طریقت میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ بقول مصنف :۔ حضرت مخدوم کے علم و فضل کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں ۔" مخدوم جہانیاں جامع است میان علم و ولایت" اور صاحب تاریخ فرشتہ کا بیان ہے " سید جلال الدین حسین بخاری عالم متبحر تھے۔ اور علوم عقلی و نقلی میں آپ نے نہایت مشقت کھینچی تھی اور مقید اس امر کے نہ تھے کہ ایک کے مرید ہو کر دوسرے سے رجوع نہ کریں ۔ ۔ ۔ ۔" صاحب مآثر صدیقی نے لکھا ہے" آپ علوم کتاب و سنت کے جوہر فرد اور کمالات باطنی کے معدن تہذیب اخلاق اور ملکات روحانی کے سہیل یمن تھے ۔"

چشتیہ سلسلے کے بزرگ عام طور سے بادشاہوں اور حاکموں سے دور رہتے تھے۔ اس کے برعکس ایوب صاحب لکھتے ہیں :۔ سہروردی سلسلے کے شیوخ کا مسلک ان سے جداگانہ تھا۔ وہ دربار وں سے قریب رہ کر بادشاہ کو نصیحت کرتے، صحیح رائے اور مشورہ دیتے، رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرنے اور شریعت کے مطابق ان سے عمل کرانے کو ضروری خیال کرتے تھے ۔ چنانچہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی حضرت صدرالدین عارف، اور حضرت شاہ رکن الدین اسی مسلک پر قائم تھے۔ حضرت مخدوم نے بھی اپنے خانوادہ کے ان بزرگوں کی پیروی کی ۔ ان کا تعلق فیروز شاہ تغلق کے دربار سے نہایت مستحکم تھا۔ یہ نیک و عادل بادشاہ ان کے صلاح و مشورہ کو قبول کرتا اور اس پر عمل پیرا ہوتا۔ حضرت مخدوم بھی اس کے ساتھ پوری طرح تعاون کرتے ۔ ان کے نزدیک ہر سلطان عادل کی ہستی برگزیدہ تھی ۔ اور وہ اس کی اطاعت کو اطاعت خداوندی کے مترادف قرار دیتے تھے ۔"

آپ کی تصنیف خزانہ جلالی میں والیوں کی تعلیم کے بارے میں ایک باب ہے جس میں فرماتے ہیں :۔ مکہ مدینہ اور خراسان کے مشائخ نے اس خاکسار کو وصیت کی ہے کہ ہر حال میں حکمراں کا مخلص اور نیک خواہ رہنا چاہیئے اور ان کے پاس لوگوں کے کام کے لئے جانا چاہیئے ۔ اور ان کے تحائف قبول کرنے چاہئیں۔ اور یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ تمہارے پاس آئیں ۔ ایک مرتبہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بادشاہ کے لئے

بددعا نہ کرنی چاہیئے، بلکہ اصلاح کی دعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ! تو امام و اُمت کو اور حاکم و محکوم کو صالح و درست کردے۔

سہروردی سلسلے کے بزرگوں کا بالعموم اور حضرت مخدوم کا بالخصوص اپنے عہد کے مسلمان سلاطین کے معاملے میں یہ نقطہ نظر تھا، چنانچہ وہ فیروزشاہ تغلق سے ملنے ہر دوسرے تیسرے سال دہلی جایا کرتے تھے۔ بادشاہ ان کا بہت احترام کرتا تھا اور جہاں بھی قیام فرما ہوتے تھے، وہاں ملنے آیا کرتا تھا۔ کئی ایک ملکی مہمات میں حضرت مخدوم نے حصہ بھی لیا، اور ان کی کوششوں سے صلح و امن بحال ہوا۔

حضرت مخدوم صرف ایک صاحب طریقت بزرگ ہی نہ تھے کہ شاہی درباروں میں ان کا بڑا رسوخ تھا اور روحانی فیض کے طالب دور دور سے ان کی بارگاہ کا قصد کرتے تھے، بلکہ ان کے ہاں درس و تدریس کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ دور و نزدیک سے طلبا "مدرسہ جلالی" میں آکر تعلیم حاصل کرتے۔ نامور عالم و واعظ مطالب قرآن و احادیث حل کرتے تھے۔ مریدین و معتقدین بالالتزام تفسیر و حدیث اور کتب تصوف کا درس لیتے تھے ...... (آپ) سات قرأتوں کے قاری تھے۔

...... حضرت مخدوم کے یہاں حدیث کا باقاعدہ درس ہوتا تھا۔ (آپ) فقہ میں مجتہدانہ حیثیت کے مالک تھے۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب پر کامل نگاہ رکھتے تھے۔ درس کے دوران ہر مذہب کا فرق بیان فرماتے اور پھر فقہ حنفی کی جامعیت کو ذہن نشین کراتے تھے۔

حضرت مخدوم سے جو جعلی و وضعی باتیں منسوب کردی گئی ہیں، ایوب صاحب نے بڑی تحقیق سے ان کی تغلیط بھی کی ہے۔ جیسے آپ کا مکہ معظمہ سے قدم شریف لانا اور ایک سفرنامہ جو آپ کے نام سے چھپا ہوا ملتا ہے۔

ایک باب حضرت مخدوم کے علمی آثار و ملفوظات کے متعلق ہے۔ مصنف نے بڑی محنت سے ان کے بارے میں جملہ معلومات اکھٹی کی ہیں اور بتایا ہے کہ آپ کے علمی آثار کس شکل میں اور کہاں کہاں ملتے ہیں۔ "کتابیات" کے ذیل میں کوئی ۱۶۰ کتابوں کے نام درج ہیں جن کی طرف اہل علم رجوع کرسکتے ہیں آخر میں اعلام اور کتابوں کے بارے میں اشاریہ (انڈکس) بھی دیا گیا ہے۔

غرض حضرت مخدوم جہاں گشت کے حالات و سوانح پر ایوب صاحب کی یہ ایک جامع کتاب ہے اور اس ضمن میں جہاں سے بھی ان کو مواد مل سکتا تھا، اسے حاصل کرنے میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

کتاب مجلد ہے، ضخامت ۴۰۳ صفحے اور قیمت مجلد کی سات روپے اور غیر مجلد کی چھ روپے

فلسفۂ اسلام

مصنفہ ڈی اولیری ڈی ڈی۔ لیکچرار آرامی و سریانی برسٹل یونیورسٹی

ترجمہ احسان احمد بی۔ اے (علیگ)

ڈاکٹر ڈی اولیری کی اس کتاب کا اردو ترجمہ بہت پہلے حیدرآباد دکن میں چھپا تھا اور وہاں جامعہ عثمانیہ میں یہ داخل نصاب رہا۔ اب چونکہ یہ اردو ترجمہ نایاب تھا اس لئے نفیس اکیڈمی کراچی نے اسے شائع کیا ہے اسلام سے قبل یونانی فلسفہ و حکمت اپنے یونانی ماحول سے جس طرح مشرق قریب میں آباد سریانی زبان بولنے والی قوموں میں پہنچا۔ وہاں سے یہ دنیائے اسلام میں عربی بولنے والوں کے ہاں منتقل ہوا اسے عربی زبان کا قالب ملا۔ اور اس کے مسلمانوں کے علوم و فنون اور نظریات و عقائد پر دور رس اثرات پڑے اور پھر جیسے سسلی اور اندلس کے راستے وہ مغربی یورپ کی لاطینی درس گاہوں میں پہنچا۔ اس نے عیسائی اور یہودی فکر کو متاثر کیا اور اس طرح یورپ میں پاپائی کلیسا کے خلاف ذہنی فضا پیدا کر کے وہاں نشاۃ ثانیہ کے لئے راستہ صاف کیا، جس نے کہ یورپ کے عہد حاضر کو جنم دیا۔ مصنف نے اپنی کتاب میں اس کا جائزہ لیا ہے۔

مصنف نے شروع میں ایک بڑی پتے کی بات کہی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ عام طور سے انگریزی طریق تعلیم میں فلسفہ پر کچھ اس طرح بحث ہوتی ہے کہ فلسفہ کی ابتدا یونان سے ہوئی، اور وہ ارسطو پر آکر ختم ہو گیا۔ پھر کئی صدیوں کے بعد ڈیکارٹ پیدا ہوا اور جدید فلسفہ کی طرح پڑی۔ اس درمیانی وقفے میں بقول مصنف "قدماء کے بعض نالائق و ناخلف ورثا گزرے ہیں جو اس لائق نہیں کہ ان پر سنجیدگی سے ساتھ غور کیا جائے۔" مصنف اس نقطۂ خیال کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ زندگی اسباب و نتائج کی ایک مسلسل کڑی ہے۔ اور جو حادثہ رونما ہوتا ہے، اس کی کوئی علت ہوتی ہے۔ جس دور کو ہم قرون وسطیٰ کہتے ہیں، اس کا ہمارے اس زمانے کے ثقافتی ارتقاء میں بڑا اہم حصہ ہے اور وہ بہت کچھ اس ثقافتی ورثے کا مرہون احسان ہے

جو قدیم یونان سے سریانی، عربی اور عبرانی سے اس تک پہنچا۔ قرون وسطیٰ کا یہ دور ظاہر ہے مسلمانوں کا دور ہے۔

کتاب کا پہلا باب "سریانی زبان میں یونانیت کی ترجمانی" ہے اس میں یہودیت اور عیسائیت پر یونانیت کے جو اثرات پڑے، ان کا ذکر ہے اور نو افلاطونیت اور نسطوری عیسائی فرقہ کا بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا باب "عربی دور" ہے اس میں عہد رسالت و خلافت راشدہ، اور عہد اموی کی سیاسی و ذہنی زندگی پر بحث کی گئی ہے مصنف کے نزدیک مدینہ کی زندگی مکہ کی زندگی سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ اور وہاں آرامی و یہودی نو آبادکاروں کے اثرات راسخ تھے اس لئے مسلمانوں کی جماعتی زندگی بآسانی وجود میں آسکی مصنف لکھتا ہے کہ اموی دور ہی میں یونانی اثرات مسلمانوں میں متعدد جہتوں سے سرایت کرنے لگے۔ نیز اسی دور میں ان تمام قوموں نے عربی زبان کو اپنانا شروع کر دیا۔ جو اسلام کے زیر نگیں آئی تھیں۔ اس کے بعد دور عباسی آتا ہے۔ جس میں بڑے وسیع پیمانے پر یونانی علوم کے عربی میں تراجم ہوئے۔ اور ان کے نتیجے میں مسلمانوں میں طرح طرح کے فکری تحریکیں اٹھیں۔ اس ضمن میں مصنف معتزلہ اور اصحاب فلسفہ (کندی، فارابی، ابن سینا اور اخوان الصفا اور اسماعیلی اہل فکر) کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ معتزلہ کی تائید اور ان کی مخالفت میں ایک عرصہ دراز تک جو ہنگامہ بحث و مناظرہ گرم رہا اس کی وجہ سے مسلمانوں میں تین رجحان فکر وجود میں آئے۔ ایک فلسفیانہ رجحان جس کے حامل یونانی فلسفے کا براہ راست یونانی زبان میں یا اس کے ترجموں و شرحوں سے مطالعہ کرتے تھے دوسرا رجحان اشعریوں کا تھا جنہوں نے اسلامی الہیات کو یونانی فلسفے سے مطابقت دے لی تھی۔ اور ان میں بعد میں آنے والے معتزلی بھی منضم ہو گئے تھے اور تیسرا رجحان صوفیہ کا تھا۔ جس میں نو افلاطونی عناصر، ہندوستان اور ایران کے دوسرے عناصر سے مخلوط نظر آتے ہیں۔

مصنف کے نزدیک ابن سینا اسلام کی دنیائے مشرق کے بڑے فلسفیوں میں سے آخری ہے اس کے بعد مشرق میں فلسفے کو زوال آگیا۔ اس کی دو وجہیں تھیں، ایک یہ کہ فلسفے کے ساتھ بہت سی شیعی بدعتیں وابستہ ہو گئیں اور راسخ العقیدہ اہل سنت والجماعت نے اسے شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا، دوسرے دنیائے اسلام کے اس حصے پر ترکی عناصر کو غلبہ حاصل ہو گیا جو کٹر سنی تھے اور ہر اس چیز سے جس کا تعلق شیعوں سے ہوتا یا وہ عقلیت کی طرف مائل ہوتی، نفرت کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود فلسفے نے اسلامی مشرق پر